Date of Publication: 09-06-2013 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 10-11 June 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 June 2013
Issue: 23, Vol.: 72

۱۵ تا ۲۱ جون ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۲۳، جلد نمبر: ۷۲

کچھ 'توبۃ النصوح' کے حوالے سے

پروفیسر علی احمد فاطمی (شعبۂ اردو، الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد)

یوں تو ڈپٹی نذیر احمد نے سات آٹھ ناول لکھے، لیکن عام خیال ہے کہ جو شہرت ان کے تیسرے ناول 'توبۃ النصوح' کو ملی وہ کسی اور ناول کو نہ مل سکی۔ 'توبۃ النصوح' ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا، جب کہ اس سے قبل دو ناول 'مرآۃ العروس' ۱۸۶۹ء اور 'بنات النعش' ۱۸۷۲ء میں شائع ہو چکے تھے۔ یوں تو 'مرآۃ العروس' بھی مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا کہ اردو میں داستانوں کے بعد افسانوں سے متعلق یہ پہلا قصہ یا ناول تھا۔ لیکن 'توبۃ النصوح' کی مقبولیت کا معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ پاکستان کے پروفیسر افتخار احمد صدیقی نے ناول پر اچھے کام کیے ہیں۔ مجلس ترقی ادب، لاہور کے زیر اہتمام نذیر احمد کے ناولوں کو مع مقدمات شائع کیا ہے۔ 'توبۃ النصوح' کے مقدمہ کی ابتدا ان جملوں سے کرتے ہیں:

"بعض نقادوں نے 'توبۃ النصوح' کو فنی حیثیت سے اردو کا پہلا باقاعدہ ناول قرار دیا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ شہرت، مقبولیت اور کثرت اشاعت کے اعتبار سے اردو کا کوئی ناول، اردو نثر کی کوئی کتاب اس کی برابری نہیں کر سکی ہے۔ ۱۸۷۳ء میں جب یہ کتاب پہلی مرتبہ چھپی تو سر ولیم میور لیفٹیننٹ گورنر شمالی و مغربی صوبے نے مصنف کو حکومت کی طرف سے ایک ہزار روپے کا اول انعام پیش کیا اور سرکاری جریدے میں مصنف اور تصنیف دونوں کی دل کھول کر تعریف کی۔ گزشتہ صدی کے ربع آخر میں ہندستان کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ اس زمانے کے ڈائرکٹر تعلیمات شمالی و مغربی مسٹر ایم کیمپسن ایم۔ اے۔ نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا جو ۱۸۸۴ء میں لندن میں شائع ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں انھوں نے 'توبۃ النصوح' کا ایک اڈیشن انگریزی حواشی و فرہنگ کے ساتھ مرتب کرکے لندن میں چھپوایا۔ اشاعت اول سے لے کر اب تک دہلی، لاہور، لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، کراچی اور دیگر ادبی و طباعتی مراکز سے اس کے بے شمار اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی میں اردو ناول پر کئی دور آئے اور گزر گئے۔ اصلاحی، رومانی، تاریخی، جاسوسی اور سماجی ناولوں کے اس انبار میں گنتی کے چند ناول ہیں جو زندگی، ادب اور فن کے حسین امتزاج سے نقش دوام ثابت ہوئے۔ 'توبۃ النصوح' کا نام ان میں سرفہرست ہے۔"

(مقدمہ توبۃ النصوح، مجلس ترقی ادب، لاہور)

ایک بار علامہ شبلی نعمانی سے سوال کیا گیا کہ آپ کو کن کن کتابوں کے مطالعے سے فائدہ پہنچا تو علامہ نے اپنی پسندیدہ کتابوں کی جو فہرست گنائی اس میں 'آب حیات'، 'دیوان غالب' کے ساتھ 'توبۃ النصوح' کا نام لیا۔ (زمانہ، جنوری ۱۹۱۱ء)

علامہ تو خیر انگریزی سے زیادہ واقف نہ تھے، بعد کے وہ نقاد جو انگریزی ادب کا مطالعہ رکھتے تھے اور ناول کے فکر و فن سے بھی واقف تھے، انھوں نے بھی 'توبۃ النصوح' کی تعریف کی جب کہ عام طور پر نذیر احمد کے خلوص اور کاوش کی تو سبھی تعریف کرتے ہیں لیکن فن اور ساخت کے بارے میں الگ الگ رائیں ہیں۔ لیکن 'توبۃ النصوح' کے بارے میں ان نقادوں کی آرا بھی زیادہ غلط نہیں ہے۔ ڈاکٹر دین محمد تاثیر جو برطانیہ سے تعلیم یافتہ تھے، انگریزی ادب کا عمدہ مطالعہ رکھتے تھے، اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"توبۃ النصوح میں انھوں نے جیتی جاگتی گفتگو ہی نہیں کی، جیتے جاگتے کردار بنا ڈالے۔ یہ کتاب اردو کا پہلا ناول ہے اور شاید اس سے بہتر ناول اردو میں لکھا نہیں گیا۔"

(نثر تاثیر، ص ۱۰۰، اردو اکادمی بہاول پور)

ڈاکٹر احسن فاروقی جو انگریزی ادب پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور آسانی سے اردو ناول پسند نہیں کر پاتے، وہ بھی نذیر احمد کے اس ناول کے بارے میں یہ لکھ گئے:

"معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جب اس کتاب کو لکھ رہے تھے تو قصہ گوئی کے فرشتے ان کے قلم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور اس طرح یہ کتاب ایک آسمانی اور ذاتی چیز ہو کر وجود میں آئی۔"

(اردو ناول کی تنقیدی تاریخ)

بہ ظاہر ان جملوں میں تاثرات اور شاعرانہ خیالات زیادہ لگتے ہیں تاہم پسندیدگی کا تاثر تو بنتا ہی ہے اور یہ خیال ابھرتا ہے کہ نذیر احمد کے ناولوں کے مقابلے 'توبۃ النصوح' مقبولیت اور فنی و فکری عظمت کے حوالے سے زیادہ بہتر اور قبول عام ناول ہے۔ یہ محض اتفاق ہے یا اس کے پیچھے ناول کے فکری و فنی اوصاف ہیں یا نذیر احمد کا گہرا سماجی اور تہذیبی شعور۔

فرانس کے انقلاب کے بعد فرانسیسی نیز انگریزی ادب میں اخلاقی اور اصلاحی ناول کا سلسلہ چل پڑا تھا، جو مختلف سماجی محرکات کی وجہ سے ہندستان بھی پہنچا۔ داستانوں کی خیالی دنیا سے نکل کر حقیقی اور اس سے زیادہ مثالی دنیا کے حادثات اور تجربات قصہ کا حصہ بن رہے تھے۔ انتشار اور بحران کے دور میں یوں بھی مثالیت اور رومانیت کا غبار پھیل جاتا ہے۔ چناں چہ وہ اردو کے ابتدائی اور اصلاحی ناولوں میں بھی در آیا۔ نذیر احمد کے ابتدائی ناولوں میں یہ عناصر کچھ زیادہ ہیں۔ چوں کہ ان ابتدائی ناولوں کا دائرہ محض گھر اور خاندان تک محدود تھا، اس لیے اس کی محدودیت پر طرح طرح کے الزام بھی لگائے گئے اور لمحہ بھر کے لیے یہ بھول گئے کہ گھر سماج کا پہلا زینہ اور پہلی اکائی ہوا کرتا ہے پھر ان کے دوسرے ناول جو گھر کی چہار دیواری سے باہر لکھے گئے وہ کیوں زیادہ کامیاب نہیں ہیں۔ ناول کی کامیابی کا معاملہ گھر یا گھر سے باہر کا نہیں ہوا کرتا۔ فلسفہ اور فکشن میں فنکارانہ انداز میں فلسفہ جذب ہوتا ہے تو ناول اکثر کامیاب ہی ہوتا ہے۔ لارنس نے ایک بار کہا تھا کہ فکشن جب تک فلسفہ نہ بن جائے بڑا فکشن کہلائے جانے کا حق دار نہیں ہوتا۔

'توبۃ النصوح' تک پہنچتے پہنچتے نذیر احمد کا تخلیقی سفر پختہ اور بالیدہ ہو جاتا ہے اور پورا پلاٹ کسے ہوئے انداز میں سامنے آتا ہے۔ نصوح کا بیمار ہونا، خواب دیکھنا، انسانی احساسات و نفسیات سے دو چار ہونا اور گھر، افراد خانہ اور حیات و کائنات کے تئیں تقلیب و تغیر ہونا اسے نہایت سنجیدہ عمل سے دو چار کرتا ہے۔ پھر طرح طرح کے کردار

سامنے آتے ہیں۔ کوئی نصوح کے خیالات سے اتفاق کرتا ہے، کوئی اختلاف۔ اتفاق اور اختلاف کی یہ کشمکش مثالی ہرگز نہیں ہے بلکہ تضاد اور تصادم سے زندگی کی حقیقتوں اور انسانی ذہن کی فطرتوں کے قریب لاتی ہے، خاص طور پر نصوح اور کلیم۔ کم و بیش اتنا ہی کلیم اور ظاہردار بیگ۔ میں یہاں ظاہردار بیگ کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ چھوٹا سا کردار بڑی حقیقت کی دلآویز غمازی کرجاتا ہے۔

مرزا ظاہردار بیگ کا کردار تھوڑی دیر کے لیے ناول میں آتا ہے لیکن اپنی مصنوعی نقل و حرکت، شیخی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے وہ تاثر چھوڑتا ہے جو محض تاثر نہیں ہے بلکہ اس عہد کا ایک ایسا دل آزار المیہ ہے جو زوال کی حدوں کو پہنچ کر ایک دیوار، ایک ظاہردار بن کر ابھرتا ہے۔ کلیم کا باپ سے اختلاف کرنا، گھر چھوڑ دینا بھی محض اپنے آپ میں ایک عمل نہیں ہے بلکہ بحرانی دور کے ان حالات کا اشاریہ ہے جو ظاہردار بیگ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ کلیم کا ظاہردار بیگ کے پاس آنا، رات گزارنے کی بات کرنا، بھوک کا بھی اظہار کرنا، مسجد میں قیام کرنا، بھنے ہوئے چنے کھانا محض اتفاق نہیں بلکہ اس زوال پذیر نظام اور اس عہد و جہد کا بلیغ اشاریہ ہے، جس سے پرانی اور نئی نسل باہم متصادم تھی۔ نذیر احمد دلی کالج سے پڑھ کر نکلے تھے، ذہین طالب علم تھے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اس دور کے حالات سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہنے کی وجہ سے بھی ان کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ نئے علوم اب پرانی تہذیب کا بھرم کھول کر رہیں گے۔ کلیم کا کردار ایسے ہی خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ لیکن ظاہردار کا کردار اس کی حماقت اور فراریت محض ایک فرد کا عمل نہیں بلکہ اس عہد کا ہے جہاں انگریزی تعلیم و تہذیب اور جدید صنعت کاری کے تحت فکر و عمل کا نیا سیلاب اُمڈا چلا آ رہا تھا اور قدیم تہذیب کے متے جانے لوگ اس کی آمد کا استقبال کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہ کشمکش، یہ تصادم اس عہد کی زندگی کا مقدر بن چکا تھا اور ایک کامیاب ناول اسی کشمکش اور تناؤ کو فنکارانہ طور پر پیش کرنے کا تخلیقی عمل ہے۔ اسی لیے اسے کبھی زندگی کی تصویر، کبھی تعبیر اور کبھی تنقید کہا جاتا ہے۔ اور غالباً پہلی بار 'توبۃ النصوح' میں یہ عناصر موثر و معتبر انداز میں ظاہر ہوئے ہیں۔ پہلی بار کردار نگاری کا ایک اعلا نمونہ بھی سامنے آیا۔ ظاہردار بیگ کا یہ حلیہ دیکھیے۔

"مرزا کو جب دیکھو پاؤں میں ڈیڑھ حاشیے کی جوتی، سر پر دوہری بیل کی بھاری کامدار ٹوپی، بدن میں ایک چھوڑ دو دو انگرکھے، اوپر شبنم یا ہلکی سی تن زیب، نیچے کوئی طرحدار رساکے کا سینہ۔ جاڑا ہوا تو بانات گز ساٹھ روپے گز سے کم نہیں۔ غرض یہ تو صبح شام اور تیسرے پہر کا شانی شغل کی آصف خانی جس میں حریر کی سنجاب کے علاوہ کمخواب جس کم خواب کی عمدہ بیل ٹنکی ہوئی۔۔ غرض دیکھا تو مرزا صاحب کی اس ہیئت کذائی سے چھیلا بنے ہوئے بازار میں جھم جھم کرتے چلے جارہے ہیں۔"

ایک طرف یہ ہیئت کذائی دوسری طرف کلیم کا محض جاتکیہ میں استقبال کرنا، مسجد میں ٹھہرانا اور چنے کھلانا اور چنے کی تعریف کرنا یہ سب کہ سب محض کردار کو نہیں حالات و خیالات کو پیش کرتا ہے نیز ناول کو بھی جاندار بناتا ہے۔

'توبۃ النصوح' کے حوالے سے اکثر بحث اٹھتی ہے کہ اس ناول کا ہیرو کون ہے، نصوح یا کلیم۔ اکثر نے کلیم کو ہی قرار دیا لیکن ایک جدید محقق 'اردو ناول کا ہیرو' کے مصنف ڈاکٹر محمد اشتیاق نے اصل ہیرو ظاہردار بیگ کو قرار دیا کہ وہ پورے فطری پن کے ساتھ ایک عہد اور ایک تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے اور بڑا کردار اپنی لمبائی سے کم اور گہرائی سے زیادہ جانا جاتا ہے۔ پروفیسر خورشید الاسلام نے 'امراؤ جان' میں تہذیب لکھنؤ کو ناول کی اصل ہیروئن یا ہیرو قرار دیا اور غور طلب باتیں کہیں۔ یہاں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اگر نذیر احمد ظاہردار بیگ کے بارے میں اتنا جاندار و شاندار مختصر لیکن بے حد موثر خاکہ یا کردار نہ پیش کیا ہوتا تو آگے چل کر سرشار کو خوجی اور شرر کو وجودی (شیخ علی وجودی) کے کردار کو پیش کرنے میں دیر لگ سکتی تھی۔ یہ کہا جائے کہ ناول میں حقیقی کردار نگاری کا سلسلہ ظاہردار بیگ سے شروع ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

ان سب باتوں کے باوجود ابتدا سے نذیر احمد کے ناولوں کو لے کر مختلف سوالات قائم کیے جاتے رہے ہیں کہ نذیر احمد کے ناولوں میں حقیقت کم مثالیت زیادہ ہے۔ ان کے ذہن میں ایک اچھے ناول کا تصور کیا تھا۔ جس طرح عبدالحلیم شرر نے والٹر اسکاٹ کا ناول طلسمان (Talisman) پڑھ کر ناول نگاری شروع کی، سرشار نے بھی ناول پڑھ کر لسانات کی راہ اپنائی۔ ایسے میں نذیر احمد کے بارے میں کم پتا چلتا ہے کہ انھوں نے کس ناول نگار اور کون سے انگریزی ناول پڑھ کر اردو میں ناول لکھنے کا خیال باندھا۔ حالاں کہ کچھ لوگ Sanford کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ پتا نہیں چلتا کہ ان کے ذہن میں ناول کا فنی تصور کیا تھا اور یہ بھی کہ وہ اپنے ناولوں کو جدید قصہ نگاری کہتے ہیں، ناول نگاری نہیں۔ کیوں؟ وہ لمبی لمبی نصیحتیں تو کرتے ہیں، علم و تعلیم پر وعظ کرتے ہیں لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ تعلیم اور بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم کے معاملے میں کس حد تک جانے کو تیار ہیں۔ ایک الزام یہ بھی ہے کہ اپنے ناولوں میں جس زندگی کو پیش کرتے ہیں وہ پورے طور پر ان کی گرفت میں نہیں ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے بقول قمر رئیس:

"وہ اس نئی تہذیب، کلچر اور نظام فکر و عمل سے جو غدر کے بعد تیزی سے ابھرتا رہا یا تو بے خبر ہیں اور یا پھر گریزاں۔"

(پریم چند کا تنقیدی مطالعہ)

ان میں سے اکثر سوالوں کے جواب سے ہم آج بھی محروم ہیں کہ کشش کی تنقید اپنے ابتدائی معماروں کی طرف توجہ کم کر سکی ہے۔ راقم بھی اس مختصر سے مقالے میں ان بحثوں کو اٹھانے سے قاصر ہے۔ لیکن یہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ دلی کالج کے تعلیم یافتہ، علی گڑھ تحریک سے واسطہ یا بلاواسطہ سے متاثر نذیر احمد اپنے آپ میں ایک دبستان فکر و عمل تھے۔ ایک عمدہ مفکر و مقرر۔ وہ گہرا سماجی اور تاریخی شعور رکھتے تھے۔ ان کے بعد کے دور کے ناولوں کو ملاحظہ کیجیے جو فنی اعتبار سے خواہ کمزور ہوں لیکن ان کی گہری سماجی، معاشرتی و تہذیبی وابستگی بلکہ پیوستگی کے ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ان کا کوئی کردار محض تخیل کی پیداوار نہیں ہے سب کے سب اس عہد کے معاشرے اور ماحول سے گہرا رشتہ رکھتے ہیں۔ خواہ وہ اصغری، نصوح، کلیم، مرزا ظاہردار بیگ، ہریالی، آزادی بیگم، حجۃ الاسلام ہوں، ان سب میں اکثر مثالیت تو آ جاتی ہے لیکن حقیقت پسندی سے الگ نہیں۔ یہ سب کے سب زندگی اور معاشرے کی ترجمانی کرتے ہیں۔

یہ ساری خوبیاں 'توبۃ النصوح' میں قدرے کھل کر آ گئی ہیں اور اس ناول کا دائرۂ فکر و عمل دیگر ناولوں کے مقابلے زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ نصیحت، اخلاق، ہدایت یہ سب کے سب پلاٹ میں خوب صورتی سے رچ بس گئے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ ناول ڈیفو کے The Family instracter کا چربہ ہے لیکن اس کے مزاج و ماحول، کردار اور زبان سب کے سب نذیر احمد کے ہیں۔ احتشام حسین نے تو یہاں تک کہہ دیا:

"کردار اور فضا کی مقامیت اسے تمثیل کے بجائے حقیقت پسندانہ بناتی ہے اور کہیں کہیں موضوع کی واقعیت اور اہمیت اس میں آفاقی عنصر بھی پیدا کرتی ہے۔"

اور آگے وہ لکھتے ہیں:

"بدلتے ہوئے سماج میں نصوح اور کلیم کی کشمکش انفرادی اختلاف طبائع کا نتیجہ نہیں۔ زندگی کی قدروں کے تسلیم کرنے کے متعلق اختلاف کی حیثیت رکھتی ہے۔ مرزا ظاہردار بیگ اور دولت آباد کی ریاست سے کلیم کی توقعات زمانے کے بے آہنگ ہو جانے اور نئی صورت حال سے مطابقت نہ پیدا کر سکنے کی دل چسپ داستانیں ہیں۔"

فیلڈنگ نے ناول کو سماجی تاریخ کہا ہے۔ ناول کے زندگی اور سماج کے رشتوں پر اور بھی مفید اور بلیغ باتیں کی گئی ہیں لیکن ان سب کا مرکزی خیال یہی ہے کہ ناول زندگی کا رزمیہ ہے۔ زندگی سے الگ ہو کر وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔

نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ ان کے سامنے کم از کم اردو میں کوئی تجربہ و نمونہ نہ تھا۔ ایسی متضاد، متصادم اور انگریز مخالف صورت اور ماحول میں انگریزی طرز پر ناول لکھنا ایک جرأت مندانہ قدم تھا۔ نذیر احمد جرأت مند تھے اور درد مند بھی۔ کہیں کہیں فن کے اعتبار سے کمزور سہی لیکن ان ناولوں کی ارضیت اور مقصدیت کے تو سبھی قائل ہیں۔ اردو ناول کے حق میں یہ نیک فال تو تھا ہی کہ اس کی ابتدا نذیر احمد جیسے حقیقت نگار کے ذریعہ ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے باوجود اردو ناول مدتوں رومان کے غبار میں ڈوبا رہا۔ یہ غبار اس وقت چھٹا جب پریم چند جیسا بے باک اور سفاک حقیقت نگار اس صنف سے وابستہ ہوا اور حقیقت نگاری کی ایک نئی تاریخ رقم کر دی لیکن بیسویں صدی کی اس نئی حقیقت کو انیسویں صدی کی حقیقت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ واقعیت اور حقیقت کے ان جھروکوں سے نذیر احمد کے کردار جھانکتے نظر آئیں گے جس نے ابتدا ہی سے ناول کو زندگی کی شاہراہ پر ڈال دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دیکھتے دیکھتے بیسویں صدی میں ناول ادب کا سب سے مقبول و محبوب صنف بن گیا اور زندگی اور سماج پورے پیچ و خم اور کیف و کم کے ساتھ اس صنف میں سما گیا۔ شاید اسی لیے ورجینا وولف نے کہا تھا کہ جو صنف زندگی کے سب سے قریب ہو کر گزرتی ہے وہ ناول ہے، صرف ناول۔

پروفیسر یوسف سرمست کے ان جملوں پر گفتگو تمام کرتا ہوں:

"انھوں نے (نذیر احمد) زندگی کے حقائق اور اس کے ٹھوس پہلوؤں کو ہمیشہ سامنے رکھا، کیوں کہ ان کا مقصد انسان اور انسانی سماج کو بہتر بنانا تھا۔ یہ مقصدیت جب کہ خلوص پر مبنی ہو تو ناول کے فن کو زیادہ مجروح نہیں کرتی۔"

انگریزی نقاد فلپ ہنڈرسن نے کہا تھا:

"تمام اچھے ناولوں کا مقصد انسان کو تبدیل کرنا اور انسان کے ذریعے سماج کو بدلنا ہے۔"

تمام اختلاف و اتفاق کے باوجود بنیاد گزاری اور حقیقت نگاری ایسے بنیادی اور بڑے کارنامے ہیں جو نذیر احمد پورے خلوص کے ساتھ کر گئے اور اپنی ذات اور ناول کی کائنات کو زندہ جاوید کر گئے۔

●●●

> تمام اختلاف و اتفاق کے باوجود بنیاد گزاری اور حقیقت نگاری ایسے بنیادی اور بڑے کارنامے ہیں جو نذیر احمد پورے خلوص کے ساتھ کر گئے اور اپنی ذات اور ناول کی کائنات کو زندہ جاوید کر گئے۔

آسنسول کا اہم ادبی رسالہ ماہنامہ 'بزمِ ہند'

ڈاکٹر مشتاق اعظمی (25، جی.بی. مترا روڈ، کشوری گلی، آسنسول 713301)

بلاشبہ یہ فخر مغربی بنگال کی سرزمین کلکتہ کو حاصل ہے کہ یہاں سے اردو کا پہلا اخبار 'جام جہاں نما' ہفت روزہ جاری ہوا، جس کا پہلا شمارہ ۲۸ مارچ ۱۸۲۲ء کو نکلا۔ آج ہم سوچتے ہیں تو یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ اردو صحافت کا آغاز بنگال کی سرزمین سے ہوا لیکن ہمیں اس بات پر تعجب ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ اردو کے سب سے بڑے مرکز دلی سے اتنی دور رہ کر 'ہری ہر دت' کو اردو زبان کا اخبار نکالنے کا خیال آیا۔ دراصل اردو کسی لسانی سرحد کی پابند اس وقت بھی نہ تھی نہ آج ہے، یہی اردو کا وصف بھی ہے اور یہی اردو کی بدنصیبی بھی ہے۔

اس وقت آسنسول کے ایک اہم ادبی رسالے کا تذکرہ مقصود ہے، جس کا آخری شمارہ میرے پیش نظر ہے۔

آسنسول میں ایک محلہ ہلا ڈانگہ ہے جو ریل پار کے علاقے میں واقع ہے۔ یہ محلہ کچھ زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے بلکہ آسنسول کے پس ماندہ علاقوں میں اس کا شمار کیا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اسی علاقے سے ۱۹۶۰ء میں ایک ادبی رسالے کا اجرا ہوا، نام تھا 'بزم ہند'۔

'بزم ہند' کا پہلا شمارہ ستمبر ۱۹۶۰ء میں جناب بلیغ آسنسولوی کی ادارت میں شائع ہوا اور 29 شماروں تک باقاعدگی کے ساتھ شائع ہونے کے بعد ایڈیٹر کی طویل علالت کے بعد بند ہوگیا۔ 'بزم ہند' کا آخری شمارہ جنوری ۱۹۶۳ء کا تھا جو 'ہند و پاک نمبر' تھا۔ دراصل بلیغ آسنسولوی 'بزم ہند' کا سالنامہ 'ہند و پاک نمبر' کے عنوان کے تحت ہی شائع کیا کرتے تھے اور اس عنوان کے تحت 'بزم ہند' کے دو سالنامے شائع ہوئے۔ پہلا سالنامہ جنوری ۱۹۶۲ء میں اور دوسرا جنوری ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

آزادی کے بعد مغربی بنگال سے جو ادبی ماہنامے شائع ہوئے ان میں 'بزم ہند' ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ اس رسالے میں افسانے، غزلیں اور معیاری ادبی مقالے شائع ہوا کرتے تھے۔

'پوسٹ مارٹم' اور 'شگوفے' اس رسالے کے مستقل عنوانات تھے۔ ایک مستقل عنوان 'شاعری کی ڈائری' تھا، اس عنوان کے تحت ملک کے نئے اور پرانے شعراء و ادبا کا تعارف پیش کیا جاتا تھا، چنانچہ اسی تعلق سے حرمت الاکرام، وفا راشدی، ساحر ہوشیارپوری اور رونق نعیم کا تعارف تصویروں کے ساتھ مختلف شماروں میں پیش کیا گیا۔

'شگوفے' کے تحت وفا راشدی اور ہربنس لال ساحل کی فکاہیہ تخلیقات ہر ماہ رسالے کی زینت ہوا کرتی تھی۔

'بزم ہند' میں ہندستان اور پاکستان کے نامور شعراء و ادبا کے ساتھ نئے لکھنے والوں کی معیاری تخلیقات بھی شائع کی جاتی تھیں، چنانچہ اس رسالے کے مختلف شماروں میں جہاں مقامی یعنی آسنسول، رانی گنج اور برن پور کے نو وارد قلم کاروں (مثلاً عابد ضمیر، نذیر احمد یوسفی، مشتاق احمد درانی اور شاد عزیزی) کے افسانے ملتے ہیں وہیں عادل رشید، شمس کنول، رئیس امروہوی، شفیق الرحمن، عطاء الرحمن راعی، جتیندر پردیپ، ممتاز راشد اور سرداری لال نشتر کی نثری تخلیقات بھی رسالے کے وقار میں اضافہ کرتی ہیں۔

شعری حصے میں نریش کمار شاد، رضا عظیم آبادی، حرمت الاکرام، کرامت علی کرامت، جرم محمد آبادی، روش پنیالوی، پورن سنگھ ہنر، پورن کمار ہوش، فضاء الرحمٰن خاں فضا اور ذوالفقار علی تابش کے ساتھ ساتھ رونق نعیم، ادریس صدر، حفیظ عظیم آبادی، شبنم برہمپوری اور شرر سربری وغیرہ بھی مقامی شاعر کی حیثیت سے موجود ہیں اور ان کی تخلیقات بھی کسی طرح سے بیرونی شعرائے کرام کے مقابلے میں کمتر درجے کی نہیں ہیں۔

اس رسالے کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ ظفر اوگانوی (بعد ازاں ڈاکٹر ظفر اوگانوی) کے اس خط سے کیجیے جو انھوں نے اپنے افسانے 'فن کار' کے ساتھ لکھا تھا:

''محترمی سید ابو صالح

رستم روڈ، پٹنہ

مکرمی! تسلیمات!

دراصل میں ان دنوں اپنے تعلیمی مشاغل میں اس قدر الجھ کر رہ گیا ہوں کہ کچھ دوسرا کام ہو نہیں پاتا۔ کہانی کے کئی مسودے پڑے ہیں مگر ان کو صاف کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ خدا بھلا کرے میرے چھوٹے بھائی کا جس نے کہانی صاف کر کے مجھ پر ایک احسان کیا اور کہانی اب اس لائق ہوگئی ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر کرنے کا فخر مجھے مل رہا ہے۔ کہانی کے متعلق آپ کی اور آپ کے قارئین کی رائے کو میں فراخدلی کے ساتھ خوش آمدید کہوں گا۔

مخلص کیش

ظفر

(''بزم ہند' شمارہ نومبر ۱۹۶۲ء'')

جہاں تک کتابت و طباعت کا تعلق ہے تو 'بزم ہند' کا کوئی بھی شمارہ اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس پر صرف پیسہ ہی نہیں خرچ کیا گیا ہے بلکہ ذوق سلیم کی سلامتی کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا گیا ہے۔ نہ صرف معنوی اعتبار سے بلکہ صوری اعتبار سے بھی یہ رسالہ اپنے دور کے کسی بھی خوب صورت ادبی رسالے کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔

ادبی رسالے کا اداریہ ایڈیٹر کی علمی معلومات اور ملکی، ثقافتی اور بین الاقوامی مسائل سے باخبری کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے۔ آیئے ہم اس روشنی میں 'بزم ہند' کا جائزہ لیں۔

'ہند و پاک نمبر' جنوری ۱۹۶۲ء کے اداریہ سے ایک اقتباس:

''ہمارا ملک چھوٹا اس لیے ہے کہ ہم بڑے ملکوں سے قرض لیتے ہیں اور ان کے تعاون سے اپنے ملک کو سنوارنے، ترقی دینے اور آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہمارا ملک چھوٹا اس لیے نہیں ہے کہ بڑے ممالک اپنی من مانی کرتے رہیں اور ہم اُن کے اشارے پر بندر کی طرح ناچتے رہیں''۔

ایک اور اقتباس 'ہند و پاک نمبر' جنوری ۱۹۶۳ء سے ملاحظہ فرمایئے:

''میں تو ادب کا خادم ہوں، ادب جو بنی نوع انسان کو باادب رہنے کی تلقین کرتا ہے، ادب جس نے مذہب کو نہیں انسان کے دل کو ٹٹولا ہے، اس لیے تو توقع کرتا ہوں کہ میں دونوں ملکوں کو قریب تر کرنے کی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھوں گا...''۔

'بزم ہند' کے پہلے 'ہند و پاک نمبر' کا ٹائٹل ہندستان اور پاکستان کے نقشے پر مشتمل ہے جس میں مغربی اور مشرقی دونوں پاکستان شامل ہیں۔ پاکستان کے نقشے کا رنگ سبز ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ پاکستان کے دونوں حصوں کو ایک خط کے ذریعے الگ کیا گیا ہے۔

دوسرے 'ہند و پاک نمبر' کا سرورق ایک ایسی تصویر پر مشتمل ہے جس میں ایک طرف ایک سائنس داں اپنے تجربات میں منہمک ہے اور دوسری طرف ایک شاعر اپنے تصورات میں ڈوبا ہوا ہے۔ سرورق کا مرکزی خیال شاید یہ ہے کہ سائنس داں اپنے تجربات اور شاعر اپنے تخیلات کے ذریعے ایک ہی نکتے پر پہنچتے ہیں۔

'بزم ہند' کا شمار اپنے دور کے مقبول ادبی رسائل میں ہوتا تھا۔ 'پوسٹ مارٹم' کے تحت قارئین کے جو خطوط شائع ہوتے تھے ان میں سے دو خط ملاحظہ فرمایئے:

کامل مظہری، صاحب گنج سے لکھتے ہیں:

''آسنسول کی سنگلاخ سرزمین سے اتنا دل کش اور ایسا دیدہ زیب رسالہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی''۔

کلدیپ سنگھ پٹیالہ سے لکھتے ہیں:

''بزم ہند کا ادبی معیار روز افزوں ترقی پذیر ہے یقیناً یہ رسالہ اپنی تاریخ بنائے گا''۔

'ہند و پاک نمبر' پر ولی شاہجہاں پوری مرحوم کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

''یہ ماہنامہ اواخر ۱۹۶۰ء سے نکلنا شروع ہوا اور ہمیں یہ کہتے ہوئے ذرا بھی تکلف نہیں ہوتا کہ اتنی مختصر مدت میں رسالے نے خاصی ترقی کر لی ہے۔ یہ چیز ادبی دنیا کے لیے فال نیک ہے کہ جناب بلیغ آسنسولوی نئے لکھنے والے کو متعارف کراتے رہتے ہیں اور اس اصول کے پابند نہیں ہیں کہ دنیا ادب کو چند چوٹی کے نامور ادیبوں کی میراث سمجھ لے...''

(کتاب نما، دہلی فروری ۱۹۶۳ء)

'ہند و پاک نمبر' ۱۹۶۳ء کے سلسلے میں سیفی پریمی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

''ماہنامہ 'بزم ہند' جناب بلیغ آسنسولوی کی ادارت میں تقریباً تین برس سے نکل رہا ہے۔ سال نو کا خصوصی شمارہ 'ہند و پاک نمبر' ہے، جس میں ہندستان اور پاکستان کے نامور اہل قلم کی تخلیقات شامل ہیں۔ خواتین کی قلمی معاونت نے بھی اس کے حسن کو چمکایا ہے۔ اس اشاعت میں چودہ نظمیں، چودہ افسانے، بائیس غزلیں، ڈرامے، مضامین اور متعدد خطوط شامل ہیں۔ شروع میں آرٹ پیپر پر ایڈیٹر اور چند نامور اہل قلم کی تصویریں اور حالات زندگی چھپے ہیں جو قاری کی دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ حصہ نظم میں محترمہ ثریا محمود ندرت کی نظم 'کیا نذر کروں' خوب صورت بھی ہے اور دردمندی کا عکاس بھی۔ مجموعی طور پر 'ہند و پاک نمبر' معیاری اور دلچسپ

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

تمام پرائیویٹ اسکولوں میں اردو کی تعلیم شروع کرنے کا مطالبہ

مظفر پور (۲۳ رمئی)۔ سکریٹ ہرٹ اسکول میں اردو کی تعلیم کے لیے طلبہ کے سرپرستوں نے آواز اٹھائی۔ اردو کی آواز یوں تو اکثر و بیشتر اٹھتی رہتی ہے مگر اب بچوں کے والدین بھی اردو کے تئیں متحرک دکھنے لگے ہیں اور انھیں بھی اس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ اردو کو اب تک اس کا جائز حق نہیں مل سکا ہے اس لیے اس کو ضرور ملنا چاہیے۔ واضح رہے کہ اس اسکول میں اردو کی تعلیم شروع نہیں ہونے پر والدین نے بچوں کو وہاں سے ہٹانے کا انتباہ دیا۔ ملی اصلاح معاشرہ تحریک مظفر پور نے ضلع کے تمام پرائیویٹ اسکولوں میں اردو کی تعلیم شروع کرنے کا مطالبہ کیا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ ملی اصلاح معاشرہ تحریک نے تین ماہ قبل اردو کی تعلیم شروع کرنے کو لے کر اسکول انتظامیہ کو میمورنڈم سونپا تھا۔ اسکول انتظامیہ کی طرف سے کوئی قدم نہیں اٹھانے پر والدین کے ایک وفد نے اسکول انتظامیہ سے ملنے کی کوشش کی۔ اسکول کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد اسکول کے اہلکاروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی۔ سرپرستوں نے بتایا کہ اقلیتی برادری کے 50% سے زائد بچے اس اسکول میں پڑھتے ہیں، ایسے میں اسکول انتظامیہ کی طرف سے اردو کی تعلیم شروع کرنی چاہیے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ملی اصلاح معاشرہ تحریک کے کارکن نے واضح کیا کہ اسکولوں میں اردو کی تعلیم کو یقینی بنانا ہوگا۔ ایسا نہیں ہونے پر مرحلہ وار طریقے سے تحریک چلائی جائے گی۔

(انقلاب۔ دہلی)

عربی و فارسی کو یو پی ایس سی سے نکالنے پر اظہار تشویش

نئی دہلی (۲۵ رمئی)۔ آل انڈیا ایسوسی ایشن آف عربک ٹیچرس اینڈ اسکالرس (اے آئی اے اے ٹی ایس) کے عہدیداران پر مشتمل ایک وفد کی ایک میٹنگ راجیہ سبھا کے ممبر محمد ادیب کے ساتھ سات تھامس ایم ہیو میں واقع ان کے دولت خانے میں ہوئی۔ اس خاص ملاقات میں ایسوسی ایشن کے ذمہ داران نے ہندوستان میں عربی و فارسی زبانوں کی اہمیت، مقبولیت اور عصری تقاضوں پر تبادلۂ خیال کیا۔ اس موقعے پر وفد نے ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ عربی و فارسی زبانوں کا شمار نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی قدیم زبانوں میں ہوتا ہے بلکہ یہ زبانیں ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی، ثقافتی اور لسانی قدروں کی پہچان ہیں۔ وفد نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عربی و فارسی زبانوں کو یو پی ایس سی سے نکال دینا براہِ راست مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے اور ان کے مستقبل کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ اس موقعے پر ممبر راجیہ سبھا محمد ادیب کو ایک میمورنڈم بھی پیش کیا گیا۔ وفد کی باتوں کو غور سے سننے کے بعد انھوں نے یقین دہانی کرائی کہ وہ اس سلسلے میں وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اور یو پی اے کی چیئرپرسن سونیا گاندھی سے بات کریں گے اور پارلیمنٹ میں بحث کے دوران اس مسئلے کو اٹھائیں گے۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

فلاحی اسکیموں کی اردو میں بھی تشہیر کا مطالبہ

نئی دہلی (۲۳ رمئی)۔ جمعیۃ علماء صوبہ دہلی اور انجمن اردو دوست کانفرنس نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی فلاح کے لیے مرتب تمام سرکاری اسکیموں کی اردو میں تشہیر کی جائے تاکہ مسلمان ان اسکیموں سے واقف ہو سکیں اور اس کا فائدہ اٹھا سکیں۔

انجمن اردو دوست کانفرنس کے کنوینر لیاز محمود اور جمعیۃ علماء صوبہ دہلی کے سکریٹری محمد جاوید قاسمی کا کہنا ہے کہ مسلمان سرکار کی فلاحی اسکیموں کا فائدہ اس لیے حاصل نہیں کر پاتے کیونکہ انھیں ان کا علم ہی نہیں ہوتا اور ان کی تشہیر زیادہ تر انگریزی یا ہندی زبان میں ہوتی ہے اور اردو اخبارات میں ان کے اشتہار نہیں دیے جاتے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تشکیل کمیشنوں کی رپورٹ بھی اردو میں تیار نہیں ہوتی اور یہ رپورٹیں اور فلاحی اسکیمیں صرف الماریوں کی زینت بن جاتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مسلم اقلیت کی پس ماندگی کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کی رسائی سرکار کی فلاحی اسکیموں تک نہیں ہو پاتی ہے۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو میڈیم سرکاری مدارس میں اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقررات کا مطالبہ

حیدرآباد (۲۱ رمئی)۔ کانگریس اقلیتی قائدین نے ڈی ای او حیدرآباد سے مطالبہ کیا ہے کہ سرکاری اردو میڈیم مدارس کی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ضلع کلکٹر کی صدارت میں فی الفور اجلاس طلب کریں اور اردو مدارس میں اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقررات اور مدارس میں فرنیچر کے علاوہ بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے لیے اقدام کریں۔ اقلیتی قائدین جناب سید معراج علی، محمد رحیم قریشی، عبدالخالق اور محمد یوسف خاں نے ان اہم مسائل پر ارکانِ اسمبلی کو بھی توجہ دینے کی اپیل کی ہے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

اردو میڈیم اسکول نہ ہونے سے والدین پریشان

باغپت (۲۸ رمئی)۔ باغپت ضلع یوپی کے ان 42 ضلعوں میں شامل ہے جہاں اردو آبادی کی اکثریت ہے۔ ذرائع کے مطابق پورے ضلع میں ایک بھی اردو میڈیم اسکول سرکاری سطح پر موجود نہیں ہے۔ چند مقامات پر اردو کے نام پر پرائمری اسکولوں میں جو ٹیچر تعینات ہیں وہ ہندی اور سنسکرت پڑھا رہے ہیں، حالاں کہ شہر میں 50% سے زائد مسلم آبادی ہے۔ ان آبادیوں کے محلوں اور علاقوں میں ایک بھی پرائمری سطح کا کوئی اسکول موجود نہیں ہے۔ ذرائع کے مطابق مسلم آبادیوں میں سرو شکشا ابھیان سینٹر اور آنگن باڑی سینٹر بھی نہیں ہیں کہ جن کے ذریعے ان آبادیوں کے بچوں کو تعلیم و تربیت کی کچھ سہولت میسر ہو سکے۔ (انقلاب۔ دہلی)

غالب انسٹی ٹیوٹ میں فخر الدین علی احمد میموریل لکچر کا اہتمام

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ۱۳ رمئی ۲۰۱۳ء کو سابق صدر جمہوریہ ہند مرحوم فخر الدین علی احمد کے یوم ولادت کے موقع پر فخر الدین علی احمد میموریل لکچر کا اہتمام کیا گیا جس میں سابق مرکزی وزیر اور راجیہ سبھا کے ممبر جناب منی شنکر ایئر نے ’ہندوستان کے ایک سیکولر بنیاد پرست کے تصورات‘ کے موضوع پر اپنا نہایت ہی عالمانہ خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ پوری دنیا میں ہندوستان کی جہاں بہت ساری باتوں سے پہچان ہے وہیں ایک پہچان یہ بھی ہے کہ یہ ایک سیکولر ملک ہے کیوں کہ سیکولرازم پورے برصغیر میں ہندوستان کے علاوہ کہیں نہیں دکھائی دیتا۔ انھوں نے بعض اسلامی ممالک کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہاں سیکولرازم کو لامذہبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر ہندوستان میں اُن ہی لوگوں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے جو سیکولر ہوتے ہیں اس لیے کہ اس ملک میں سیکولرازم کی تعبیر و تشریح دنیا کے کئی ممالک سے مختلف ہے۔ منی شنکر ایئر نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک سیکولر ہونے کا مطلب تمام مذاہب اور تمام عقائد کا احترام کرنا ہے۔ موصوف نے ہندوستان کے تمام مذاہب پر مختصراً روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس ملک کے تمام مذاہب کی خوبی یہی ہے کہ یہ تمام مذاہب سیکولرازم کی تعلیم دیتے ہیں۔ مسلم بادشاہوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ وہ تمام مذاہب کا احترام کرتے تھے اور تمام مذاہب کے تہوار میں حصہ لیتے تھے۔ سیکولرازم کو قومیت کی بنیاد بتاتے ہوئے انھوں نے مزید فرمایا کہ ہم چاہے کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہوں مگر ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم کسی مذہب کے ماننے والوں کو اور ان کے عقائد کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ کیوں کہ ہم سب سے پہلے ہندوستانی ہیں۔ اس سے قبل غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے اپنے استقبالیہ کلمات میں فرمایا کہ اس تاریخی موقع پر پورا ملک اپنے سابق صدر جمہوریہ کو اس لیے یاد کر رہا ہے کیوں کہ مرحوم فخر الدین علی احمد نہ صرف اس ملک کے صدر جمہوریہ تھے بلکہ وہ قومی یک جہتی اور اتحاد و مساوات کے بہت بڑے حامی بھی تھے۔ جناب منی شنکر ایئر جیسے سیاست داں، دانشور اور سیکولر کا اس موقع پر خطبہ پیش کرنا مرحوم فخر الدین علی احمد کی خدمت میں اس سے بہتر خراج عقیدت نہیں ہو سکتا تھا۔ صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے معروف ماہر تعلیم احمد رشید شیروانی نے کہا کہ منی شنکر ایئر کا آج کا یہ خطبہ اس لیے ہر اعتبار سے کامیاب ہے کیوں کہ اُن کی گفتگو میں اُن کی زندہ دلی کا بھی اظہار تھا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جو شخص اچھا انسان نہیں ہو سکتا نہ وہ اچھا مسلمان نہ ہندو نہ سکھ اور نہ اچھا عیسائی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ انسانیت ہی تمام مذاہب کی بنیادوں میں ہے۔ ڈاکٹر رضا حیدر نے منی شنکر ایئر کا تعارف پیش کیا اور جلسے کی نظامت کی۔ آخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب شاہد ماہلی نے تمام سامعین کا شکریہ ادا کیا۔ اس جلسے میں فخر الدین علی احمد صاحب کے دونوں صاحبزادے جسٹس بدرِ درید احمد اور ڈاکٹر پرویز احمد کے علاوہ بڑی تعداد میں مختلف علوم و فنون کے افراد جمع تھے۔

تمل ناڈو اردو رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام

جشنِ فیض احمد فیض اور مشاعرے کا انعقاد

چنئی (پریس ریلیز)۔ تمل ناڈو اردو رابطہ کمیٹی کے زیرِ اہتمام جشنِ فیض احمد فیض صدی اور ایک مشاعرہ ۱۳ راپریل ۲۰۱۳ء کو بہ مقام وائی۔ ایم۔ سی۔ اے۔ چنئی۔ ے منعقد کیا گیا۔ جلسے کی صدارت جناب کے۔ ملک العزیز نے کی اور کناڈا سے تشریف لائے معروف ادیب اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ کمیٹی کے صدر جناب ملک العزیز نے خطبۂ استقبالیہ کے دوران کہا کہ اردو والوں کو چاہیے کہ وہ اردو رسم الخط سیکھیں اور اپنے بچوں کو بھی سکھائیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ قومی اردو کونسل نے آن لائن اردو لرننگ پروگرام شروع کر دیا ہے۔ چوں کہ ہماری نوجوان نسل گھنٹوں انٹرنیٹ پر گزارتی ہے اس لیے روزانہ ایک دو گھنٹے سیکھنے سے ان کا وقت بھی مفید گزرے گا اور وہ ایک عظیم زبان اور تہذیب سے آشنا بھی ہو جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ کمیٹی جلد ہی ایک عالمی اردو سیمینار کا انعقاد کرنے والی ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنی پُر مغز تقریر میں فیض احمد فیض کی زندگی کے مختلف واقعات بیان کیے اور فیض کی شاعری

اردو کے سلسلے میں سکریٹری آندھرا پردیش قانون ساز کونسل سے نمائندگی

حیدرآباد (۱۰ رمئی)۔ فاروق حسین (ایم ایل سی) نے آج سکریٹری آندھرا پردیش ریاستی قانون ساز کونسل ڈاکٹر ایس راجا سدارام سے تحریری طور پر نمائندگی کی ہے کہ ریاستی قانون ساز کونسل (ایوان بالا وزریں) کے تمام اردو داں ارکان میں مقننہ کے قواعد سے متعلق کتاب کو اردو زبان میں فراہم کیا جائے جیسا کہ دوسری زبانوں کے ارکان کو ان کی اپنی مادری زبان میں فراہم کی جارہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس طرح تمام ارکان کو اپنی مادری زبان میں قواعد کی کتاب کی تقسیم سے انھیں ایوان کے قواعد کو سمجھنے کا موقع ملے گا اس سے ایوان کی کارروائی کے پُرامن اور موثر انداز میں چلانے میں بھی سہولت ہوگی۔ مسٹر فاروق حسین نے سکریٹری سے یہ بھی کہا کہ اردو چوں کہ ریاست کی دوسری سرکاری زبان ہے اس لیے ایوان کے تمام دفاتر اور شعبوں میں اس کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔ سکریٹری نے ان کی تحریر پر نمائندگی کو قبول کرتے ہوئے مسرت کا اظہار کیا کہ اردو کے تعلق سے ان سے پہلی مرتبہ نمائندگی کی جارہی ہے جس پر عمل آوری کو یقینی بنانے کی وہ حتی المقدور کوشش کریں گے تاکہ اردو داں ارکان کو سہولت ہو جو ان کے فرائض میں بھی داخل ہے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

اردو کو اس کا حق مل جائے تو ملک کے اردو داں بے روزگار نہ رہیں

نئی دہلی (۲۱ رمئی)۔ حکومت کی پالیسیاں ہمیشہ سے اقلیت مخالف رہی ہیں اور الیکشن نزدیک آتے ہی لسانی اقلیتوں کو لبھانے کی کوشش تیز کردی جاتی ہیں اور نت نئے ہتھکنڈے اپنائے جاتے ہیں۔ اوبی سی بل، اردو اور دیگر مسائل اور ان کی تعلیم وترقی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ یہ بات ہنس ماڈرن پبلک اسکول میں منعقد تقریب میں آل انڈیا مسلم ایکتا کمیٹی کے چیئرمین اور جنتا دل سیکولر دہلی پردیش کے صدر حاجی اکرام حسین نے کہی۔ انھوں نے کہا کہ اقلیتوں کے لیے نہ جانے کتنے بل آتے ہیں لیکن سب ردّی کی ٹوکری کی نذر ہوجاتے ہیں، جس کی مثال اردو ہے کہ ابھی تک اردو کو اس کا حق نہیں دیا گیا ہے، اگر اردو کو اس کا پورا حق دے دیا جاتا تو ملک بھر کے لاکھوں اردو داں روزگار سے جڑ جاتے۔ لیکن حکومت اردو کو اس کا جائز حق دے کر اردو کو روزگار سے جوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ دہلی میں دوسرے نمبر پر بولی جانے والی زبان اردو سرکاری دفاتر اور سرکاری اداروں میں کہیں نظر نہیں آتی اور نیم پلیٹ (نام کی تختیوں) سے بھی اردو غائب ہے، کہیں ہے تو وہاں غلط املے سے لکھ کر اردو والوں کا مذاق اُڑایا گیا ہے، مثلاً شاہجہاں روڈ کو شاجہاں روڈ، نور جہاں کو نورہ جاں یا 'نور جہاں' لکھا جارہا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

دہلی کے اردو میڈیم اسکولوں کے بارہویں جماعت کے نتائج خوش آئند

نئی دہلی (۲۸ رمئی)۔ سی بی ایس ای کے بارہویں کے نتائج میں اس مرتبہ پھر سے لڑکیوں نے لڑکوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ لڑکیوں کا رزلٹ جہاں 98.87 فیصد رہا وہیں 78.77 فیصد لڑکے کامیاب رہے۔ اردو میڈیم اسکولوں کی اگر بات کریں تو ان اسکولوں کے نتائج بھی بہتر رہے ہیں۔

باڑہ ہندو راؤ واقع شفیق میموریل اسکول کا رزلٹ اس مرتبہ 82 فیصد رہا ہے۔ اسکول سے 104 بچوں نے امتحان دیا جن میں سے 86 پاس، 15 کمپارٹمنٹ اور 3 فیل ہوئے۔ اسکول میں سائنس کا رزلٹ 87.5 فیصد، کامرس 73.33 فیصد اور آرٹس کے نتائج 63.88 فیصد رہا ہے۔ گزشتہ برس اسکول کا رزلٹ 67 فیصد تھا۔ اسکول میں شاذیہ ولد عیسیٰ نے 79 فیصد نمبر حاصل کرکے ٹاپ کیا جب کہ محمد ذیشان ولد اسلام الدین (74.6 فیصد) اور ہما اور ولد گلزار خان نے (74.2 فیصد) نمبر حاصل کرکے دوسرا اور تیسرا مقام حاصل کیا۔

اینگلو عربک سینئر سکنڈری اسکول کا رزلٹ 74 فیصد رہا ہے۔ یہاں سے کل 259 طلبہ نے امتحان دیا جن میں سے 186 پاس، 42 کمپارٹمنٹ اور 30 فیل ہوئے۔ اسکول میں سائنس کا رزلٹ 89 فیصد، کامرس 65 فیصد اور آرٹس 65 فیصد رہا۔ گزشتہ سال رزلٹ 66 فیصد تھا۔ اسکول میں عامر الاسلام نے 75 فیصد نمبر حاصل کرکے ٹاپ کیا، جب کہ جشمر نے 83 فیصد اور محمد قاسم نے 80 فیصد نمبر حاصل کرکے دوسرا اور تیسرا مقام حاصل کیا۔

جعفرآباد واقع ڈاکٹر حسین سینئر سکنڈری اسکول کا رزلٹ 99.3 فیصد رہا ہے۔ یہاں 238 طلبہ نے امتحان دیا۔ ایک بچے کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ امتحان نہیں دے سکا باقی تمام طلبہ پاس ہوگئے۔ کامرس کا رزلٹ 100 فیصد اور آرٹس کا 99.5 فیصد رہا ہے۔ گزشتہ سال اسکول کا رزلٹ 86.5 فیصد رہا تھا۔ اسکول میں ضیع الاسلام نے 88 فیصد نمبر حاصل کرکے ٹاپ کیا ہے جب کہ طوبیٰ کمال اور سعیدہ نے 84 فیصد اور عالیہ نے 82 فیصد نمبر حاصل کرکے دوسرا اور تیسرا مقام حاصل کیا۔

سرودیہ بال ودیالیہ پٹودی ہاؤس کا رزلٹ 83 فیصد رہا۔ اسکول کے رزلٹ پر فیروز بخت احمد نے کہا کہ اگر اس اسکول کے کچھ طلبہ کو غیر حاضری کے سبب امتحان سے نہ روکا گیا ہوتا تو نتائج مزید بہتر ہوتے۔ سرودیہ کنیا ودیالیہ جامع مسجد نمبرہ کا رزلٹ ۹۸ فیصد رہا۔

شفیق میموریل اسکول کے پرنسپل صبغت اللہ صدیقی، ڈاکٹر حسین اسکول کے پرنسپل معروف خاں، اینگلو عربک اسکول کے اسٹاف سکریٹری مقصود عالم، فتح پوری مسلم اسکول کے اردو کے ٹیچر طاہر الحسن نے اردو میڈیم اسکول کے بہتر نتائج پر طلبہ وطالبات کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ یہ اساتذہ کی محنت اور والدین کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اگلے سال اس سے بھی بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔

(انقلاب۔ دہلی)

محکمہ فن، ثقافت والسنہ کے ذریعے جاری 'اردو کورس' سے سو سے زیادہ سرکاری ملازمین فیض یاب ہوچکے ہیں

نئی دہلی (۹ رمئی)۔ اردو زبان جہاں اپنوں میں بیگانی کہی جاتی ہے، وہیں ایسے لوگوں نے اردو سیکھنے کا عزم کیا ہے جو اردو زبان سے ناواقف ہیں۔ سرکاری محکموں کے افسران اور ملازمین کو بھی اردو کی شیرینی بھانے لگی ہے۔ اردو سیکھنے والے ایک سرکاری ملازم کا کہنا ہے کہ اردو کی مٹھاس کا اندازہ ہمیں کلاس کے پہلے روز استاد کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سن کر ہی ہوگیا۔ دہلی حکومت کے محکمہ فن، ثقافت والسنہ کے زیر اہتمام سرکاری محکموں میں کام کرنے والے افسران اور ملازمین کو اردو سکھانے کے لیے جاری کورسز سے اب تک 100 سے زائد افراد فیض حاصل کرچکے ہیں جن میں اکثر افراد اردو میں آنے والے خطوط اور شکایت کا جواب بھی اردو زبان میں ہی دیتے ہیں۔ یہ معلومات دہلی حکومت کے محکمہ فن و ثقافت والسنہ میں اردو سیل کے اردو افسر اشفاق احمد عارفی نے 'انقلاب' سے بات کرتے ہوئے دی۔ انھوں نے اردو سیل کی کارکردگی کے تعلق سے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ جس طرح محکمے کے ذریعے ہندی اور دیگر زبانوں میں مختلف مقابلے، ورکشاپ اور کورسز کرائے جاتے ہیں اسی طرح اردو زبان میں بھی سرکاری یا سرکار سے منسلک دفاتر میں کام کرنے والے اردو نہ جاننے والے ملازمین کو اردو کی تعلیم دینے کی غرض سے چھ ماہ کا 'اردو سرٹیفکیٹ کورس' اور بعد میں چھ ماہ کا ہی 'ایڈوانس اردو کورس' کرایا جاتا ہے۔ جس کی کلاسیں ہفتے میں تین دن ہوتی ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ یہ کورس صرف ایک کورس ہی نہیں ہے بلکہ ایک تحریک بھی ہے جس میں اردو سرٹیفکیٹ کورس، اردو مضمون نویسی اور خوش نویسی کا خاص طور سے مقابلہ ہوتا ہے۔ مقابلوں اور کورس میں کامیاب ہونے والے افراد کو اول، دوم، سوم اور پانچ حوصلہ افزا انعامات کچھ معینہ رقم، ٹرافی اور سند کے ساتھ دیے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ۲۰۰۱ء سے جاری ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اردو کے پروگراموں سے متاثر ہوکر حکومت کے متعدد محکموں نے ہمیں درخواستیں دی ہیں کہ ان کے یہاں کام کرنے والے ملازمین کو بھی اردو سکھائی جائے۔ اشفاق عارفی نے بتایا کہ اردو سیکھنے والے افراد کو سہ لسانی کتابیں دی جاتی ہیں اس کے علاوہ ایسی کتب بھی دی جاتی ہیں جس سے پڑھنے والوں کے ذوق میں اضافہ ہو، جیسے دل چسپ قصے، کہانیاں اور شاعری وغیرہ۔ انھوں نے بتایا کہ محکمے کے ذریعے ہر سال ایک سیمینار بھی منعقد کیا جاتا ہے۔ اس سال جو سیمینار ہونا ہے اس پر ہونے والے خرچ کا بجٹ منظوری کے لیے گیا ہوا ہے۔ اشفاق عارفی کا خیال ہے کہ اس بار اگر بجٹ میں اضافہ ہوجاتا ہے تو سیمینار کو بڑے پیمانے پر کیا جائے گا جس میں الہ آباد، حیدرآباد اور ممبئی کے اسکالرز کی بھی شرکت متوقع ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

ہیلتھ کارڈ کے ساتھ اردو اور ہندی زبان میں ہدایت نامے بھی دیے جائیں

آسنسول، مغربی بنگال۔ آسنسول کے مختلف وارڈوں میں غریبوں کے لیے ہیلتھ کارڈ بنائے جانے کا کام زور وشور سے جاری ہے، مگر ان سنٹروں پر موجود چند افراد نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ہیلتھ کارڈ کے ساتھ جو ضروری انفارمیشن طبع شدہ بی پی ایل خاندانوں کو فراہم کرائی جارہی ہے، وہ صرف بنگلہ زبان میں لکھی ہوئی ہے جن کو پڑھنا اور سمجھنا اردو والوں کے ساتھ ساتھ ہندی والوں کے لیے بھی مشکل ہے۔ قریش محلہ کے عبدالحق قریشی جنھوں نے اپنا ہیلتھ کارڈ حاصل کیا ہے ساتھ ہی انھیں بنگلہ زبان میں اس ہیلتھ کارڈ کے لیے چند ہدایتیں فراہم کرائی گئی ہیں جنھیں وہ نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ انھی کی طرح کئی اور لوگوں نے بھی اس دشواری کا ذکر کیا ہے۔ عبدالحق قریشی نے کہا ہے کہ آسنسول کو جہاں مغربی بنگال کی موجودہ سرکار نے اردو کا خطہ قرار دیا ہے وہاں کم از کم یہ ہدایت نامے اردو زبان میں ہونے چاہئیں تاکہ آسنسول میں رہنے والے لاکھوں اردو والے بھی یہ پڑھ سکیں کہ اس ہدایت نامہ میں کیا درج ہے۔ (آزاد ہند۔ بنگلہ)

کے متنوع پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ ان کی کتاب 'فیض فہمی' نہ فیض احمد فیض کی مدح ہے اور نہ قدح ہے۔ اس کتاب میں فیض پر لکھے گئے مختلف مضامین اکٹھا کیے گئے ہیں تاکہ فیض کے تعلق سے غلط فہمیوں کو رفع کیا جاسکے۔ اسی اجلاس میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کی دو کتابیں بعنوان 'فیض فہمی' اور 'دو شہکار نظمیں' کا بھی اجرا کیا گیا۔ اس موقع پر مشہور ادیب علیم صبا نویدی نے 'فیض فہمی' نامی کتاب پر ایک وقیع مضمون پیش کیا۔

اس اجلاس میں بیدر کرناٹک کے شاہین پی یو کالج کے جنرل سکریٹری انجینئر عبدالقدیر صاحب کو اردو زبان وتعلیم کے ساتھ تقریباً آٹھ ہزار طلبہ وطالبات کو تعلیم دینے اور اردو زبان کو فروغ دینے پر ان کی کاوشوں کے اعتراف میں تمل ناڈو اردو رابطہ کمیٹی نے 'امتیاز اردو ایوارڈ ۲۰۱۳ء' سے سرفراز کیا۔ اس سے قبل یہ ایوارڈ دہلی کے مشہور عرب شاعر ڈاکٹر زبیر فاروقی اور کناڈا کے نامور ادیب اور شاعر سید تقی عابدی کو دیا جاچکا ہے۔ انجینئر عبدالقدیر نے ایوارڈ قبول کرتے ہوئے اپنی تعلیم کے طریقہ کار سے سامعین کو واقف کرایا، جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔

جلسے کے بعد ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت جناب علیم صبا نویدی نے کی۔ مہمان شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی کے علاوہ بنگلور سے آئے ہوئے شاعر اختر علوی اور مقامی شعرا محمد حنیف کاتب، اشفاق الرحمٰن مظہر، وقار اعظمی، ملک الظفر، شاہد مدراسی اور ماہر مدراسی نے اپنے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ جناب اشفاق الرحمٰن مظہر نے جلسے اور مشاعرے کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔

خصوصی رعایت پر کتابوں کی فراہمی

داستاں در داستاں	مست احسنی گنوری	۳۰/=
دریا رواں رہے	حیات لکھنوی	۵۰/=
دریچے	رام پرکاش راہی	۱۲۰/=
دستِ زلیخا	سلمیٰ جاوید	۱۲/=
دستِ نارسا	محمد یعقوب عامر	۲۵/=
دن رات	نعیم صبا	۵۰/=
دو دلی دروازے	منیر الدین احمد	۱۰۰/=
دھنک احساس کی	راج نرائن راز	۲۵/=
دیوانِ عرش	ایم حبیب خاں	۴۰/=
دیوانِ مصحفی	خدا بخش لائبریری	۵۰/=
دیوانِ مصحفی	خدا بخش لائبریری	۵۰/=
دیوانِ مصحفی	خدا بخش لائبریری	۲۰۰/=
ذوقِ نظر	نظر برنی	۱۰/=
راز و نیاز	ادے سرن ارمان ادیبی	۵/=
راز و نیاز	راز لائل پوری	۲۵/=
رباعیات محروم	تلوک چند محروم	۱۵۰/=
رت جگے	رحمت امروہوی	۴۰/=
رسائی	ہاشم تو کالوی	۲۰/=
رقصِ خیال	محمد یعقوب عامر	۲۵/=
رنگ ترنگ	کرشن مراری	۵۰/=
روشنی اے روشنی	نورتقی نور	۳۰/=
روشنی اے روشنی	نامی انصاری	۸۰/=
روشنی کے پھول	انور مینائی	۱۵/=
روی کی دوہاولی	روی بھاردواج	۶۰/=
رہبرِ اعظم	راز مالک پوری	۳۶/=
ریزہ ریزہ کہانیاں	مشتاق علی شاہد	۱۵/=
ریگِ رواں	صادق نسیم	۶۰/=
زخم کوئی ہو	سریندر پنڈت سوز	۴۸/=
زخموں کے سلسلے	عبد الصمد تپش	۴۸/=
زخموں کے کئی نام	سدیپ بینرجی	۹۰/=
زخم و مرہم	امر چند بہار	۷۵/=
زیرو کی شاعری	وریندر پال سنگھ وزیر	۹۰/=
سازِ مشرق (اول)	حسن الدین احمد	۲۰/=
سازِ مشرق (دوم)	حسن الدین احمد	۲۰/=
ساز و آواز	ارمان ادیبی	۸/=
سب خواب	نصرت گوالیاری	۱۰۰/=
سبزۂ گفتار	محمد یعقوب عامر	۲۰/=
سبزہ و تازہ تنہائیوں کے انبوہ میں	بدیع الزماں خاور	۴۰/=
ستاروں سے ذروں تک	جگن ناتھ آزاد	۷۰/=
سحر سرمد	سالک رام بھٹ سرمد	۳۰/=
سرابِ آرزو	سلطان انجم	۴۰/=
سرِ کہسار	زبیر فاروق	۳۰/=
سرکشیدہ	صہبا اختر	۴۵/=
سرمایۂ احساس	صابر آروی	۷۰/=
سفر آمادہ	مصطفیٰ شہاب	۷۵/=
سفرنامہ	انور ندیم	۲۰/=
سنہری آنچ	واجد سحری	۲۰/=

سنہری اداسیاں	شاہد ماہلی	۱۰۰/=
سوزِ حیات	ملک اسماعیل خاں	۱۰۰/=
شاخِ چراغ	مونس بریلوی	۵۰/=
شاخِ زعفران	حامدی کاشمیری	۸۰/=
شاخِ گل	کالی داس گپتا رضا	۱۵/=
شام و سحر	سحر اکبرآبادی	۱۰۰/=
شب آہنگ	مہتاب حیدر نقوی	۵۰/=
شب چراغ	بختیار ضیا	۵۰/=
شب گردی خسرو	عبد القادر خاں خسرو	۲۰/=
شرارِ نغمہ	گوپال متل	۲۵/=
شعر پہ شوشہ	وہاب حیدر	۳۰/=
شعلۂ احساس	کرشن مراری	۲۶/=
شعلۂ جاں	زاہدہ زیدی	۱۳۰/=
شعلۂ خس پوش	محمد یعقوب عامر	۳۰/=
شعلۂ گل	سردار الہام	۴۰/=
شفق زار	اوم کرشن راحت	۱۵/=
شہابِ ثاقب	بسنت رائے شرما	۵۰/=
شہرِ سخن	مناظر حسین نظر	۱۵۰/=
شہزادہ	سیّد حامد	۵۰/=
شیرازۂ مژگاں	کرشن موہن	۱۰/=
صباحت زہرا	صبیحہ نسرین	۷۰/=
صحرا کی دھوپ	ساحر شیوی	۴۰/=
صدا ابھرتی ہے	محمد رئیس علوی	۴۰/=
ط ظ	شہباز امروہوی	۲۵/=
طلوعِ سحر	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
عرفات	عارف سیمابی	۵۰/=
عکس در عکس	خالد رحیم	۲۰/=
عکس در عکس	شاہد ساگری	۴۰/=
عنواناتِ درخشاں	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
غبارِ صحرا	وقار ناصری	۲۵/=
غزالِ رعنا	قلی قطب شاہ	۲۵/=
غزلیں دوہے گیت	جمیل الدین عالی	۹۰/=
غزلیات	ابرار کرتپوری	۲۰۰/=
غمزہ بہ غمزہ	آر پی شوخ	۵۰/=
فرازِ ہنر	ظفر مرادآبادی	۴۰/=
فکر و خیال	وقار صدیقی	۸۰/=
فکر لو	واحد پریمی	۲۰/=
فکر و نظر	پیارے لال رتن	۶۰/=
کاغذی محل	علیم جہاں گیر	۲۰/=
کتابِ صحرا	حنیف ترین	۱۰۰/=
کربِ احساس	نظمی سکندرآبادی	۳۰/=
کربِ انا	جاوید اکرم	۵۰/=
کشش	ذکاء الدین شایاں	۴۰/=
کنول مکھڑے بنگلہ گیت	بیکل اتساہی	۲۵/=
کیفِ صد رنگ	رئیس نیازی	۴۰/=
گلِ تر	راجیش کمار اوج	۴۰/=
گلِ خودرو	شائستہ یوسف	۳۰/=

گنجینۂ سخن	کانتی موہن سوز	۵۰/=
گنجِ معانی	تلوک چند محروم	۱۵۰/=
گنگا جمنا	بھگوان داس اعجاز	۴۰/=
گلہائے عصیاں	عاصی سہاگ پوری	۷۵/=
لاانتہا	مظہر مہدی	۱۰/=
لاحاصل	جمیل الدین عالی	۶۰/=
لاشریک	ف س اعجاز	۵۰/=
لہو لہو پیاس	کیلاش ماہر	۵۰/=
لمحے لمحے کا کرب	پرویز باقی	۲۰/=
لمسِ ہوا	کیلاش ماہر	۱۰/=
لہو کی آنچ	علی احمد جلیلی	۶۰/=
لینن	محسن سرحدی	۲۵/=
مات ہونے تک	تاجدار عادل	۸۰/=
مافی الضمیر	ضمیر کاظمی	۴۰/=
مثنوی آسمانی مخطوطہ	محمد یعقوب عامر	۲۰/=
مرآۃ المعرفت	عارف سیمابی بانکوٹی	۴۰/=
مرا بھی رنگ	بدیع الزماں خاور	۲۰/=
مری صدا کا غبار	رفعت سروش	۵۰/=
مصحفِ عصر	عمر انصاری	۱۲۵/=
موتی اُگے دھان کے کھیت	بیکل اتساہی	۱۲۵/=
موجِ بحر	مرزا الطاف حسین عالم	۲۰۰/=
موج موج تشنگی	عالم تاب تشنہ	۶۰/=
ناتمام	حکیم منظور	۱۵/=
نسیمِ حجاز	جگن ناتھ آزاد	۱۰۰/=
نغماتِ طوبیٰ	عالم لکھنوی	۵۰/=
نقشِ فریادی	فیض احمد فیض	۱۵/=
نقشِ وفا	وفا صدیقی	۵۰/=
نقوشِ بہزاد	بہزاد کاظمی	۳۰/=
نوائے حرف	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
نوائے راز	خلیل الرحمٰن راز	۶۰/=
نوشتہ	عشرت ظفر	۲۰/=
نئی دنیا کا آدم	شرر فتح پوری	۳۲/=
نئی مراٹھی شاعری	صادق	۱۰/=
نیرنگِ معانی	تلوک چند محروم	۸۰/=
ویرانیاں	دور آفریدی	۲۰/=
ہندوستان ہمارا (دوم)	جاں نثار اختر	۴۰/=
یہ خلش کہاں سے ہوتی	علی شیدا	۲۵۰/=
ناول، افسانے		
آتشِ چنار	شام بارک پوری	۵۰/=
آخری سبق	کیدار ناتھ کومل	۴۰/=
آشا دیپ	ست پرکاش سنگر	۶۰/=
ادھورے چہرے	شمیم صادقہ	۱۵/=
الیوژن	بلراج ورما	۲۵/=
بادل گرجیں چھنا پار	سدرشن شرما	۱۸/=
باغی (اول، دوم)	ایم اے راحت	۶۰/=
بدلیوں کی چیخ	طاہر نقوی	۳۰/=
اداسی سوز	ظہیر الدین	۱۵/=

بندر کے پنجے	بھیم سین تیاگی	۳۰/=	سات رنگ	عبداللہ حسین	۴۰/=	لیکن جزیرہ نہیں	تبسم فاطمہ	۵۰/=
بند دروازہ	ڈاکٹر نریش	۱۵/=	سیپیوں کی شام	برج پریمی	۱۰۰/=	مباہلہ	علی امام نقوی	۳۰/=
بہشت	بینا ناز	۲۵/=	سچ جیسے سپنے	ہرچرن چاولہ	۱۲۰/=	مدار	حیات اللہ انصاری	۳۰/=
پتھروں کے گیت	محمود بالیسری	۲۵/=	سنگِ زر	عزیز اللہ شیرانی	۳۰/=	منتخب افسانے ۱۹۹۳ء	کشور وکرم	۸۰/=
پرچھائیاں	وقار نجمی	۲۵/=	سورج کا سائباں	اکرم فاروقی	۳۰/=	موت کی دستک	جیمز ہیڈلے/رمیش چندر شرما	۱۹/=
پس غبار	نثار عظیم	۶/=	سوز دروں	سعادت نسرین	۲۵/=	موتیوں کا ہار	پورن سنگھ ہنر	۱۵/=
پلک پلک کٹی رات	گلنار آفریں	۷۵/=	شب رفتہ	وارث رشید قدوائی	۵۰/=	موگیا لوک کہانیاں	وقار صدیقی	۷۰/=
پلکوں سے پلکوں تک	نکہت افلاک	۱۰۰/=	شہر بدنصیب	اقبال مجید	۱۰۰/=	میرے حصے کا زہر	فیاض رفعت	۱۰۰/=
پھر تو وقت سفر یاد آیا	سید زادہ و بشارت شکوہ آبادی	۱۲/=	شہر کا ایک دن	ستیہ پال آنند	۵۰/=	میں بوند بوند زہر پیتا ہوں	موہن لال	۴۰/=
تلاش	تیج بہادر	۴۰/=	صبا آورد	نور پرکار	۳۰/=	نادیہ	جوگندر پال	۵۰/=
تین اور تیس ہزار	اسلم واحدی	۲۰/=	ضمیر	عظمت رضا	۳۶/=	نیا نودن	راشد سہوانی	۳۰/=
ٹوٹے لمحوں کا کرب	جعفر عباس	۳۰/=	فرشتے خاموش ہیں	ویریندر پٹواری	۱۲/=	نیا شہر	نجم سندیلوی	۱۲/=
ٹھنڈا خون	اطہر مسعود خاں	۶۰/=	کابوس	بلراج ورما	۳۰/=	واپسی	اسلم واحدی	۱۵/=
جگمگاتے اندھیرے	وسیم بانو قدوائی	۱۵/=	کالندی بہے پورب	رشید موسوی	۳۰/=	ہم دونوں	مسافر	۳۲/=
جلتے توے کی مسکراہٹ	انور ندیم	۳۰/=	کتھا	خالدہ اصغر	۸۰/=	ہم سفر پیار کے	دیبا خانم	۱۸/=
جلسہ	شیخ سلیم احمد	۵۰/=	کتھا نگر	جوگندر پال	۳۶/=	ہوری کا دوسرا جنم	مانک ٹالا	۱۷۵/=
جنگل جنگل شہر	ہیرا نند سوز	۱۲۵/=	کوکن کے افسانے	انجم عباسی	۵۰/=	ہیرے کا جگر	رفعت صدیقی	۸۰/=
جہاں سے دور	نور جہاں سلیم	۱۲/=	کھلاڑی	عظمت رضا	۲۲/=	چچا	ہاشم عظیم آبادی	۳۰/=
خطرناک منصوبہ	جیمز ہیڈلے/رمیش چندر شرما	۱۸/=	کہانیاں	کیول دھیر	۵۰/=	نیا زمانہ	یوسف ناظم	۳۰/=
خواب ڈھونڈو کہاں	اکرام جاوید	۲۵/=	گرم برف	اہل فکر	۵۰/=	پروین رائے اور دوسرے منظوم ڈرامے	رفعت سروش	۱۰۰/=
داستان مردان حر	بخشش	۳۵/=	گلوں میں رنگ بھرے	ست پرکاش سنگر	۱۰۰/=	جاگ سحر آئی ہے	وارث احمد خاں	۴۰/=
درد آشنوں کا	ہارون ایوب	۱۸/=	گونگی توپ	قطب اللہ	۱۵/=	چوتھا کونا	اسلم واحدی	۲۰/=
دھنک کے سائے	عصمت عذرا	۳۰/=	گونگی لڑکی	عادل رشید	۴۰/=	دوسرا کنارہ	غلام جیلانی	۳۵/=
دو ساتھی راستے	غلام معین الدین	۵۰/=	گہری پرچھائیاں	پی ایس بادل	۲۰/=	شام کب ڈھلے گی	وارث احمد خاں	۳۰/=
ڈوبتے منظر کا سفر	سلطان انجم	۴۰/=	گھرانہ	انیس مرزا	۲۲/=	فرعون	رشید انجم	۷۵/=
راز	عفت موہانی	۱۵/=	لمبے سفر کا ہم سفر	محمود عالم	۵۰/=	کارخانہ اور آئندہ زمانہ	محمد فضل الرحمٰن	۲۰/=
رجنی گندھا	شام بارک پوری	۶۰/=	لہو کا طوفان	احسان شوق	۵۰/=	کرچیں	انور ندیم	۱۵/=
رنگ محل	حمیدہ سلطان	۲۵/=	لہو کی آنچ	تبسم بانو	۳۰/=	کیا گھر کیا خانقاہ	سکندر توفیق	۳۰/=
رنگ و بو کی سرزمین	شام بارک پوری	۴۰/=						
روح کے بندھن	زلیخا حسین	۲۵/=						
زرد پتے	جمیل زبیری	۴۰/=						

رابطہ کریں: **انجمن ترقی اردو (ہند)**
اردو گھر، 212-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲، فون نمبر 23236299, 23237210

بقیہ: آسنسول کا اہم ادبی رسالہ...

صفحہ ۳ سے آگے

ہے، اس میں ایک نئی اور کارآمد بات یہ ہے کہ تمام فنکاروں کے پتے درج ہیں"۔

درج بالا تبصرے اس بات کے شاہد ہیں کہ 'بزم ہند' مغربی بنگال کا ایک قابل ذکر ادبی ماہنامہ تھا، اس ماہنامے کی اشاعت اگر جاری رہتی تو آج ہند و پاک کی سطح پر اس ماہنامے کا اپنا ایک منفرد اور اعلا مقام ہوتا اور ساتھ ہی ساتھ مقامی نئی پود کا بھرپور تعارف بھی دنیائے ادب میں ہو سکتا۔

'بزم ہند' 29 مہینوں تک باقاعدگی سے شائع ہو کر بند ہو چکا ہے۔ جنوری ۱۹۹۳ء کا 'ہند و پاک نمبر' اس کا آخری شمارہ ثابت ہوا۔ اس کے مدیر جناب غلام احمد بلیغ آسنسولوی جنھوں نے اپنے خونِ جگر کے ساتھ سارا اثاثہ بھی اس رسالے کی چمک دمک قائم رکھنے میں صرف کر دیا تھا۔ آج منوں مٹی تلے محو خواب ہیں اور ان کی قبر کا نشان مٹ چکا ہے۔

○○○

بقیہ: داراشکوہ کی طب دوستی

صفحہ ۸ سے آگے

تھے۔ خیر اندیش کو سیاسی و ملکی مصروفیات کے ساتھ طب سے بے حد شغف تھا۔ اس نے جہاں آباد میں ایک شاندار شفا خانہ قائم کیا، جس میں حکیم محمد علی بخاری، حکیم محمد اعظم خاں، حکیم عبدالرزاق، حکیم عبدالمجید اصفہانی طبی فرائض پر مامور تھے۔ وہاں خیر التجارب جیسی طبی کتاب تصنیف کی۔ اس کا سال تصنیف ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) ہے۔ ابن سینا اکادمی، علی گڑھ میں اس کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔

خیر اندیش خاں نے تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور طویل عمر پا کر ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء کو فوت ہوا۔

نواب علی مردان خاں رئیس قندھار، شاہ جہاں کی دعوت پر جب ہندوستان آئے تو شاہ جہاں کے حکم سے داراشکوہ نے ایک لاکھ روپیہ ان کے اوپر نچھاور کیا۔ ان کے ساتھ تین ہزار پیشہ ور اور اہل ہنر اور ڈیڑھ سو علما آئے تھے، جن میں یقینی طور پر اطباء شامل تھے۔ انہی دستکاروں کے ہاتھوں جامع مسجد، دہلی اور تاج محل کی تعمیر ہوئی۔ ۱۰۴۸ھ اور ۱۶۳۸ء میں نواب علی مردان خان کے دہلی پہنچنے پر بادشاہ نے نیم قد ہو کر مصافحہ کیا۔ ہفت ہزاری، ہفت ہزار سوار منصب تھا۔ ۱۶۵۳ء میں شاہ جہاں نے دہلی میں ان کے مکان پر قدم رنجہ فرمایا تھا۔ طب و علم نجوم میں ملکہ تھا۔ ان کی کتاب انفس الاثر کا مخطوطہ، رامپور میں موجود ہے۔ داراشکوہ سے تعلق کی وجہ علوم عقلی میں ان کی مہارت تھی۔ ان کے پوتے حکیم مرزا مسعود علی خاں بڑے ذہین و ذکی اور حاذق معالج تھے۔ نبض و قارورہ سے تشخیصِ امراض میں کمال رکھتے تھے۔

داراشکوہ کے ذوقِ علم کا ایک بہت بڑا اظہار اس کی عظیم الشان لائبریری بھی ہے۔ اس میں دوسری کتابوں کے علاوہ طب کی کتابیں بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ اس زمانے کی کوئی بھی لائبریری طبی کتابوں کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی تھی اور طبی کتابیں اس کا لازمی حصہ ہوتی تھیں۔ داراشکوہ کی لائبریری کے مخطوطات اور نادر کتب کی کثیر تعداد کے اندازہ کے لیے یہ بہت کافی ہے کہ اس کے لیے علاحدہ ایک بڑی عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ دہلی میں آج بھی کشمیری گیٹ میں یہ یادگار عمارت موجود ہے۔ ■◆■

دوسری اور آخری قسط

داراشکوہ کی طب دوستی

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن
تجارہ ہاؤس، دودھ پور
علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲ (یوپی)

ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی، اللہ ان کی دولت و اقبال دائم رکھے کہ معتقدین صادق اور مسترشدین کے تحقیق طلب مسائل اور اسرار (حقی) ان کے قلوب پر منقش و مرقوم ہیں۔ ان کی بخشش و عطا کی وجہ سے اس دفتر (کتاب) کا نام گنج باد آورد صاحبقرانی رکھا۔ شاہ جہاں کی حیات میں مصنف اس کے چاروں شاہزادوں میں داراشکوہ سے قریب تر تھا۔ کتاب کا اصل نام اگرچہ گنج باد آورد صاحب قرانی ہے، لیکن یہ مصنف کے نام کی مناسبت سے قرابادین خان زمانی اور داراشکوہ سے خصوصی نسبت کی وجہ سے قرابادین داراشکوہی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ "مصنف ابتدا سے آخر عمر تک اورنگ زیب سے وابستہ رہا، داراشکوہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ کہ گنج باد آورد مصنف کی زندگی کے آخری برسوں کی تصنیف ہے، اس لیے یقینی طور پر ایک فیصد بھی اس کا تعلق داراشکوہ سے نہیں رہا ہوگا" درست نہیں ہے۔ اس خیال کی تردید کے لیے محض مصنف کے دیباچے کے اشعار کافی ہیں۔ یہ کتاب نہ مصنف کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہے، اور نہ اورنگ زیب کے عہد میں لکھی گئی ہے۔ شاہجہاں کے زمانے کی اس تصنیف میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، چاروں شہزادوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

یہ دفتر دراصل اطباء و ارباب الشفا کے لیے بہ طور دستور ہے۔ کتاب تین حصوں تمہید، متن اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔ تمہید کو مفتاح کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس میں سولہ مفتاح اور تین گنجور ہیں۔ فتح اول ادویہ کے ماخذ کے بیان میں، فتح دوم تعریف غذا و دوا و سم، فتح سوم التقاط و اذخار، فتح چہارم مزاج و درجات ادویہ، فتح پنجم مختار دوا (یعنی دوا کا کونسا جز اور کون سی قسم اختیار کی جائے) فتح ششم امتحان دواء، فتح ہفتم منافع ادویہ و اجساد (اس میں توضیحیں مثلاً تدابیر ادویہ ترتیب ادویہ قتل اجساد، غسل احجار، ترکیب حرق بریاں، استخراج اجساد، حق و صلایہ، حل اجساد، تعبیہ منشوشات) فتح ہشتم کیفیت ترکیب و استعمال ادویہ، فتح نہم بافتن وجہ ادویہ مرکبہ، فتح دہم اوزان و اکیال، فتح یازدہم قدر شربت، فتح دوازدہم مصلحات و ابدال ادویہ، فتح سیزدہم اعمار (دبائے) ادویہ، فتح چہاردہم اعراب و اسماء ادویہ، فتح پانزدہم معانی بعض اسامی ترکیب، فتح شانزدہم بعض مخصوص ادویہ مفردہ۔

متن تین اجزا پر مشتمل ہے۔ ہر جز کو کتاب کے نام کی رعایت سے گنجور کہا گیا ہے۔ اس حصہ میں نو ابواب ہیں۔ باب کے لیے نقد کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اور نقد کے ذیلی عنوانات کو عقد کا نام دیا ہے۔ گنجور اول ادویہ مفردہ و مرکبہ کے بیان میں ہے۔ اس گنجور میں متعدد عقد ہیں۔ اور ان عقدوں میں مختلف نظام کی ادویہ درج ہیں۔ گنجور دوم دراصل قرابادین ہے۔ یہ بھی بہت سے عقدوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً تریاقات، معاجین، اطریفلات وغیرہ۔ گنجور سوم عطریات، اغذیہ، حلویٰ، اچار، نمک، نہار، تیاری سموم و دوائے بیہوشی وغیرہ۔ اس میں بھی متعدد عقود ہیں۔

اختتامیہ کے لیے علم کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ کتاب کے آخر میں کاشتکاری کا بیان شامل ہے۔ اس طرح تقریباً ۲۰۰ عنوانات پر مشتمل گیارہ سو صفحات کی اس کتاب میں نہایت شرح و بسط سے قرابادین اور ادویہ مرکبہ کی متعلقہ تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

داراشکوہ سے منسوب ایک اور طبی کتاب "طب داراشکوہی" ہے۔ اس کا مصنف حکیم نورالدین محمد عبداللہ بن عین الملک شیرازی نامور علمی خاندان کا فرد ہے۔ عین الملک عہد اکبری کا ممتاز طبیب تھا۔ دوائی تخلص کرتا تھا۔ طب میں فوائد الانسان اس کی مشہور کتاب ہے، جس کا نام خود اکبر کا تجویز کردہ تھا۔

نورالدین آگرہ میں پیدا ہوا۔ شاہجہاں کے زمانہ کے جن طبیبوں نے شہرت حاصل کی ان میں اس کا درجہ علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند ہے۔ شاہجہاں نے اسے عین الملک کے خاندانی خطاب سے سرفراز کیا۔ عہد عالمگیری میں بھی یہ مراحم خسروانہ سے نوازا گیا اور دیوان بیوتات کے عہدہ پر فائز ہوا۔

طب کے علاوہ شعر و ادب اور تصوف سے اسے خاص شغف تھا۔ چنانچہ درجن کتابیں اس کی یادگار ہیں:

۱۔ جامع الاطباء: اس کا ایک خطی نسخہ اسٹیٹ اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری، حیدرآباد (آصفیہ) میں محفوظ ہے۔

۲۔ جیب ستہ رشیدیہ: حفظ صحت سے متعلق ہے اور صحت کے لیے چھ ضروری امور پر اس میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

۳۔ انیس المعالجین: مطبع نول کشور سے متعدد بار طبع ہوئی ہے۔

۴۔ الفاظ الادویہ: علم الادویہ سے متعلق ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب سے مفرد اور مرکب دوائیں بیان کی گئی ہیں۔ دواؤں کے مترادف نام لکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ کتاب کا سال تصنیف ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۹ء) ہے اور شاہجہاں کے نام منسوب ہے۔ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں مطبع نول کشور، لکھنؤ کے علاوہ دوسرے مطابع سے کئی مرتبہ طبع ہوئی ہے۔

۵۔ قسطاس الاطباء: طبی لغت ہے۔ ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) کی مرتبہ اس کتاب کو اپنے ولی نعمت امان اللہ خان زمان فیروز جنگ کے نام موسوم کیا ہے۔ "الفاظ جہد طب" اور "قسم" سے تاریخ ۱۰۳۹ برآمد ہوتی ہے۔

۶۔ واقعات ابوالفضل: ابوالفضل کے خطوط جو اس نے مختلف لوگوں کو لکھے ہیں، جمع کیے ہیں۔

۷۔ لطیفہ فیضی: فیضی کے خطوط ہیں، جنھیں نورالدین نے ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء میں جمع کیا تھا۔

۸۔ انشاء بہار دانش: ادبی خطوط کا مجموعہ ہے، جنھیں اس نے عہد جہانگیر مرتب کیا تھا۔

۹۔ مراتب الوجود: توحید اور وجود باری پر بحث کی گئی ہے۔ یہ ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء کی تصنیف ہے اور شاہجہاں کے نام منسوب ہے۔

۱۰۔ طب داراشکوہی: داراشکوہ کے نام سے معنون ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء کی یہ تصنیف معالجات کی اہم کتابوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ اس میں قدیم اطباء کے اقوال و تجربات کے علاوہ اطباء ہند کے معمولات بھی درج کیے گئے ہیں۔ اور آیورویدک کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ دو حصوں پر مشتمل اس ضخیم کتاب سے عہد مغلیہ کے طبیبوں کے طریقۂ مطب، جہت علاج، اور فن نسخہ نویسی کے مطالعے میں مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب علاجات داراشکوہی کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس کے خطی نسخے خدا بخش، پٹنہ، رضا لائبریری، رامپور، آصفیہ، و نظامیہ طبی کالج، حیدرآباد، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، اور جامعہ ہمدرد، کراچی میں محفوظ ہیں۔ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں اس کے صرف چند صفحات دستیاب ہیں، جن کا تعلق اسرار چہارم سے ہے۔ اس میں بقراط کی ۲۵ علامات منقولہ کے علاوہ محمد بن زکریا رازی کی بیان کردہ علامات بھی درج ہیں۔ ہمدرد کراچی کا نسخہ بھی میری نظر سے گزرا ہے۔ یہ ناقص الاول نسخہ گفتار ہفتم سے شروع ہوا ہے۔ دس اسرار پر محیط اس گفتار کا تعلق حفظان صحت اور تدبیر تندرستان سے ہے۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع کے ۲۳۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ۵ شوال ۱۲۱۴ھ (۹۹ء) کو سندھ کے امیر میر مراد علی خاں، تالپور کے لیے اس کی کتابت کی گئی ہے۔ لوح و جدول مطلا، نیلگوں و شنگرفی رنگین حزین اور عنوانات شنگرفی ہیں۔ ورق اول پر ہمایوں مرزا ابن فتح علی شاہ کا نام درج ہے۔

داراشکوہ کے تعلق سے ایک اہم نام نواب خیر اندیش خاں کا ہے۔ یہ بڑا مدبر، دانشور اور فیاض امیر تھا۔ ابتدائے عمر ہی میں انشاء پردازی و خوش نگاری کے ساتھ طب اور دوسرے علوم میں مہارت اور امتیاز پیدا کیا۔ اکتساب کمالات علمی کے بعد داراشکوہ کا متوسل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد اورنگ زیب کی بارگاہ میں آیا۔ پنج ہزاری منصب اور خیر اندیش کے خطاب سے نوازا گیا۔ اٹاوہ کا فوجدار مقرر ہوا۔ بہادر شاہ اول کے عہد میں شش ہزاری منصب پر پہنچا۔ ایک مورخ پر لاکھ روپے کا انعام میں ملے

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org